حضرت ابراھیمؑ کی صفت حنیف اور قرب الٰہی کی راہیں

(خطبہ عید الاضحیہ فرمودہ ۶ / مارچ ۲۰۰۱ء بمقام مسجد فضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ کی تلاوت فرمائی:

اِبۡرٰهِيۡمَ الَّذِىۡ وَفّٰٓى ﴿۳۸﴾

پھر فرمایا:

تو کہہ کہ اللہ نے سچ فرمایا۔ پس ابراہیمؑ حنیف کی ملت کی پیروی کرو اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو مرکزی بنیادی صفت تھی وہ ابراہیم حنیف کی تھی یعنی ہمیشہ اللہ ہی کی طرف جھکاؤ رہتا تھا۔ جس طرف کسی کا جھکاؤ ہو وہ اسی طرف گرتا ہے پس غلطی بھی کرتے تھے تو اللہ ہی کی طرف گرتے تھے اور کبھی بھی مخالف سمت میں آپؑ کا جھکاؤ نہیں ہوا۔ تو آپ کی صفات میں سے مرکزی صفت ابراہیم حنیف کی ہے۔

آج کا خطبہ عید الاضحیہ کی نسبت سے عید الاضحیہ کے متعلق ہی ہے اور آج میں مسجد فضل لندن میں یہ خطبہ دے رہا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں انگلستان میں ایک بیماری پھیلی ہوئی ہے جسکو Mouth and Foot Disease کہا جاتا ہے اور پنجابی میں اسے منہ وکھر کی بیماری کہتے ہیں۔ اگرچہ اس کا علاج وہاں مجھے پاکستان میں بھی کرنے کا موقع ملا مرک سال (Merc Sol) دی

جائے تو یہ جانور بالکل ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ مگر انگلستان کے طبی نخرے بہت ہیں اس لئے ان کو اگر بتایا بھی جائے تو کئی سال انہوں نے تحقیق ہی کرنی ہے اس لئے بہتر ہے کہ خاموشی اختیار کریں اور اس کے نتیجہ میں جو سفر کی پابندیاں ہیں ان کو ملحوظ رکھیں اسی وجہ سے آج کی عید مختلف مراکز میں منائی جا رہی ہے۔ مورڈن مسجد میں بھی ایک عید ہو رہی ہے اور اسی طرح دور دور کے سب مراکز میں یہ عید الگ الگ مقامی امام پڑھ رہے ہیں۔ تو ویسے تو دستور یہی ہے کہ سب اکٹھے یہاں پڑھا کریں یعنی ایک امام کے پیچھے سب اکٹھے ہو جایا کریں لیکن ابھی اس مجبوری کی وجہ سے یہ بہت سی عیدیں منائی جا رہی ہیں۔ ہمارے ہاں عید آج ہے جبکہ بعض غیر احمدیوں کے ہاں اس سے پہلے عید کل گزر چکی ہے اور مجھے خیال ہے کہ ربوہ کی عید بھی آج ہی ہوگی اور اسی طرح امریکہ کی عید بھی غالباً آج ہی ہو رہی ہے تو ان عیدوں میں ہم سب اکٹھے ہو گئے ہیں۔

اب میں چند حدیثیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں جن کا تعلق عید الاضحیہ سے ہے۔ مسند احمد بن حنبل میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبدہؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب صبح کے وقت اٹھتے تھے تو یہ فرماتے تھے ’’ہم نے صبح کی فطرت اسلام پر اور کلمہ اخلاص پر اور اپنے نبی محمدؐ کے دین پر اور اپنے باپ ابراہیمؑ حنیف کی ملت پر جو مشرک نہیں تھے۔‘‘ (مسند احمد بن حنبل کتاب مسند الشامیین باب حدیث عبدالرحمٰن بن ابزی الخزاعی۔ حدیث نمبر 14818)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے متفق علیہ روایت ہے یعنی بخاری میں بھی ہے اور مسلم میں بھی انہی الفاظ میں یہ روایت درج ہے کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا جب آپؐ تلبیہ کہتے ہوئے لبیک پکار رہے تھے، آپؐ فرماتے ’’حاضر ہوں میں اے اللہ! میں تیری طرف، تیری خدمت میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، حاضر ہوں تیری خدمت میں، تیرا کوئی شریک نہیں ہے، تیری خدمت میں حاضر ہوں، بے شک حمد اور نعمت تیرے لئے ہے اور بادشاہی تیری ہے تیرا کوئی شریک نہیں‘‘۔ ان کلمات سے زائد آپؐ کوئی کلمہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الحج باب التلبیۃ، صحیح مسلم کتاب الحج باب التلبیۃ وصفتھا ووقتھا)

ایک حدیث سنن نسائی سے لی گئی ہے۔ اس میں حضرت شدادؓ سے روایت ہے، حضرت شداد بن اوسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز میں یہ دعا کیا کرتے تھے ’’اے اللہ میں

تیرے معاملات کے بارے میں تجھ سے ثبات قدم اور رشد کے بارے میں عزم صحیح کا طالب ہوں۔'' پس نیک معاملات میں ثبات قدم بھی دعا کے بغیر نصیب نہیں ہوا کرتا۔ آنحضرت ﷺ جن کو سب سے زیادہ ثبات قدم نصیب تھا آپؐ بھی دعا ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے تھے۔ رشد کا مطلب ہے صحیح رستہ، عقل اور جو فراست کا رستہ ہے اس کو رشد کا رستہ کہتے ہیں۔ ''میں تجھ سے تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی ہمت اور احسن رنگ میں تیری عبادت کی توفیق کا طالب ہوں اور میں تجھ سے قلب سلیم اور ہمیشہ صادق زبان کا طالب ہوں۔'' اب یہ دیکھ لیجئے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے زیادہ قلب سلیم کسی کو نصیب نہیں ہوا اور صادق القول جیسے آپؐ تھے ویسا کبھی کوئی دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ اس کے باوجود انکساری کا عالم تھا اور اس معاملے میں یہ انکساری صحیح تھی کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو تب قول سدید اور قول سلیم اور رشد کی توفیق ملتی ہے ورنہ نہیں۔

پھر فرماتے ہیں ''اور میں تجھ سے ہر اس خیر کا طالب ہوں جو تیرے علم میں ہے اور ہر اس شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو تیرے علم میں ہے اور میں تجھ سے ان تمام امور میں جو تیرے علم میں ہیں مغفرت کا طالب ہوں''۔ (سنن النسائی کتاب السھو باب نوع آخر من الدعا) اب شر جو لوگوں کو نظر آجائے اس سے تو سب پناہ مانگتے ہی ہیں بعض دفعہ شر میں پھنس کر تو دہریہ بھی اللہ کا نام لینے لگ جاتے ہیں لیکن حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے جو ہمیں طریقہ کار سکھایا وہ یہ ہے کہ شر ظاہر ہونے سے پہلے پناہ مانگا کرو۔ جب امن کی حالت میں ہو اس وقت اللہ تعالیٰ سے اس شر سے پناہ مانگا کرو جو تمہارے علم میں نہیں مگر اللہ کے علم میں ہے'' اور پھر میں ان تمام امور میں جو تیرے علم میں ہیں مغفرت کا طالب ہوں۔'' پس انسان سے گناہ سرزد ہوتے ہی رہتے ہیں اور بہت سے ایسے گناہ ہیں جو اس کے علم میں ہوتے ہی نہیں اس لئے ان تمام امور میں جو اللہ کے علم میں ہیں میں تیری مغفرت کا طالب ہوں۔ یہ رسول اللہؐ کی دعا تھی۔

ترمذی کتاب الزہد سے یہ روایت حضرت سفیان بن عبداللہ الثقفی سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی بات بتائیں جسے میں مضبوطی سے پکڑلوں آپؐ نے فرمایا: قُلْ رَبِّيَ اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔ تو کہہ کہ میرا رب اللہ ہے پھر استقامت اختیار کر۔ (جامع ترمذی کتاب الزھد باب ماجاء فی حفظ اللسان) اس میں قرآن کریم کی ایک آیت کی طرف اشارہ ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

(حٰم السجدہ:۳۱) تو منہ سے رب کہہ دینا تو کوئی مشکل کام نہیں ہے۔سب لوگ میرا رب میرا رب کہتے ہی رہتے ہیں لیکن رب کہنے کے نتیجے میں جب رزق کا ابتلا آئے اور انسان سمجھے کہ جب تک میں انسان کے سامنے نہ جھکوں مجھے رزق عطا نہیں ہوسکتا۔اس وقت وہ استقامت دکھائے اور اپنے رب کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکے۔اس کو صحیح استقامت کہتے ہیں اور تب وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، اللہ ہی ہے جو میرا پالنہار ہے۔اور سب کو اسی کو شعار بنانا چاہئے کہ استقامت منہ سے رب کہنے سے نہیں ہوتی، منہ سے رب کہنے کے بعد استقامت کی منزل آتی ہے اور ابتلا آتے ہیں ان میں جو ثابت قدم رہے اسی کو استقامت نصیب ہوتی ہے۔

ایک روایت سنن نسائی میں حضرت ابواُمامہ باھلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! جو شخص اجر اور شہرت کی خواہش کرتے ہوئے جنگ میں حصہ لیتا ہے اس کے بارے میں حضور کا کیا خیال ہے کہ اسے کیا ملے گا؟ حضورؐ نے فرمایا اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ پھر اس شخص نے یہی بات تین بار دہرائی۔رسول اللہؐ نے اسے یہی جواب دیا، یہی جواب دیتے رہے کہ اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف اسی عمل کو قبول فرماتا ہے جو خالص اسی کی خاطر کیا گیا ہو اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہی گئی ہو۔

ایک روایت ترمذی میں ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ’’کسی شخص کا بہترین اسلام یہ ہے کہ ہر ایک ایسی چیز کو چھوڑ دے جس سے اس کا کوئی تعلق واسطہ نہیں‘‘۔(جامع ترمذی کتاب الزھد باب فیمن تکلم بکلمۃ یضحک بھا عن الناس) اب یہ اسلام کی تعریف کیسے ہوئی کہ ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس سے اس کا تعلق نہیں؟ جس سے تعلق نہیں وہ تو چھٹی ہوئی ہوتی ہے مگر اس میں گہری حکمت یہ ہے کہ اکثر لوگ اس مال کی بھی لالچ کرتے ہیں جو ان کا نہیں ہوتا اور ہماری قضا (دارالقضا) ایسے جھگڑوں سے بھری پڑی ہے یہاں تک کہ جو مال حقیقت میں بہن کو ملنا چاہئے بھائی اس میں حرص کرتے ہیں۔ بھائی، بھائی کے مال میں حرص کرتے ہیں۔تو اس سے دنیا میں بدامنی پھیلتی ہے اور سچا اسلام قائم نہیں ہوسکتا۔پس آنحضرت ﷺ کے فرمودات کو گہری فکر کی نظر سے پڑھنا چاہئے اس کا اسلام سے یہ تعلق ہے کہ جو چیز تمہاری نہیں ہے تم دیکھو ہی نہ اس کی طرف،

تمہارے دل میں کوئی حرص اس کے لئے پیدا نہ ہو۔اس طرح کرو گے تو دنیا میں حقیقی امن پھیلے گا۔

ایک روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم جہاد کو سب سے افضل عمل شمار کرتے ہیں تو کیا ہم جہاد نہ کریں؟ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا مقبول حج سب سے افضل جہاد ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الحج باب فضل الحج المبرور) اب اس کا کیا مطلب ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کیوں پوچھا اس لئے کہ مردوں کو عورتوں پر یہ فضیلت ہے کہ مرد جہاد کے لئے نکلتے ہیں اور عورتیں جہاد کے لئے نہیں آسکتیں۔تو یہ وجہ تھی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا ہم گویا پیچھے رہ جائیں گے؟اس طرح آپ نے فرمایا تم حج کرو اور تمہارا جہاد یہی ہے وہ حج جو قبول ہو جائے اللہ کو وہی سب سے بڑا جہاد ہے اور عورتوں کے لئے اتنا ہی جہاد کافی ہے۔مقبول حج سے بڑا جہاد اور کوئی نہیں۔اب میں اس خطبہ کو مختصر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کئی اقتباسات میں نے چھوڑ دیئے ہیں اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض نصائح میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

فرمایا:

"وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (البقرۃ:۱۲۶)

ابراہیم کے مقام کو مصلّٰی بناؤ۔"

اس کا لفظی ترجمہ ہے۔اس کو غلطی سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ جہاں نماز پڑھا کرتے تھے اس مُقام پر نماز پڑھی جائے اور وہاں مصنوعی طور پر پتھر میں دو پاؤں بھی کھود کے بنائے گئے ہیں اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ ایک تو بڑے بڑے بے ڈھنگے ہیں اور دوسرے پتھر پہ اس طرح کھڑے ہوتے ہوں کہ پتھر دب جائے اور اس میں نشان پڑ جائے۔ یہ قابل قبول بات نہیں ہے اور ایک اور حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ کو جس کے متعلق حکایت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جہاں مصلّٰی بنایا اس کو تم اپنا مقام پکڑو۔خدا تعالیٰ نے مَقام فرمایا ہے مُقام نہیں۔مُقام ایک جگہ، ایک معین مکان کو کہتے ہیں اور مَقام مرتبہ کو کہتے ہیں۔تو ابراہیمؑ کے مرتبہ کو اپنا نماز میں مَقام پکڑا کرو جو ابراہیمؑ کو عطا ہوا جس طرح ابراہیمؑ سے اللہ تعالیٰ نے تعلق بنایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس تعلق کے نتیجے میں تھا جو آپ کو اللہ سے تھا اسی لئے آپ کو خلیل اللہ کہا جاتا

ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اپنا دوست گردانا تو وہ مقام حج میں اختیار کرو جس کے نتیجے میں تمہیں ابراہیمی صفات نصیب ہوں یہ حقیقی معنی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''مقام ابراہیم سے اخلاق مرضیہ و معاملہ باللہ مراد ہے''

وہ اخلاق مراد ہیں جن سے اللہ راضی ہو اور معاملہ باللہ مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلقات کا معاملہ مراد ہے تو حضرت ابراہیمؑ نے جس طرح اپنے تعلقات اپنے رب سے استوار کئے تھے ویسے ہی تم بھی اپنے رب سے تعلقات استوار کرو اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''یعنی محبت الٰہیہ اور تفویض اور رضا اور وفا یہی حقیقی مقام ابراہیمؑ کا ہے''

کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور خدا تعالیٰ کی سپردگی اور اس کی رضا اور اس سے وفا کرنا یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہے۔

''جو امت محمدیہ کو بطور تبعیت و وراثت عطا ہوتا ہے''

یعنی یہ مقام جو ابراہیمؑ کا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو تبعی طور پر عطا ہوا ہے اور ابراہیمؑ کی وراثت کے طور پر بھی عطا ہوا ہے۔

''اور جو شخص قلب ابراہیم پر مخلوق ہے اس کی اتباع بھی اسی میں ہے۔'' (براہین احمدیہ حصہ چہارم روحانی خزائن جلد ا صفحہ ۶۰۸ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳)

پس جس کا دل حضرت ابراہیمؑ کے دل کی طرح رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ہے اس کے لئے بھی اسی میں امن اور اسی میں نجات ہے کہ وہ ابراہیمؑ کے دل کے پیچھے چلے اور اس کی پیروی کرے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام صدق اور صفا کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جب تک انسان صدق و صفا کے ساتھ خدا تعالیٰ کا بندہ نہ ہوگا تب تک کوئی درجہ ملنا مشکل ہے۔ جب ابراہیمؑ کی نسبت خدا تعالیٰ نے شہادت دی وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى (النجم: ۳۸) کہ ابراہیمؑ وہ شخص ہے جس نے اپنی بات کو پورا کیا تو اس طرح سے اپنے دل کو غیر سے پاک کرنا اور محبت الٰہی سے

بھرنا خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق چلنا اور جیسے ظل اصل کے تابع ہوتا ہے ویسے ہی تابع ہونا کہ اس کی اور خدا کی مرضی ایک ہو کوئی فرق نہ ہو۔ یہ سب باتیں دعا سے حاصل ہوتی ہیں۔'' (ملفوظات جلد ۳ صفحہ: ۴۵۷)

پس یہ باتیں آسان نہیں ہیں کثرت دعا کرتے رہو اور وفا سے دعا کرتے رہو اور اس دعا پر استقامت اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ پھر رفتہ رفتہ یہ باتیں عطا فرما دیتا ہے۔

اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حال دیکھئے۔ کیا انقطاع کا نمونہ ان سے ظاہر ہوا!''

یعنی ایک تعریفی کلمہ ہے کیا انقطاع کا نمونہ ان سے ظاہر ہوا۔ یہ سوالیہ نہیں ہے بلکہ تعریفی جملہ ہے کہ کیا انقطاع ان کو نصیب ہوا!

''جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ضائع کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرتا۔''

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے نفس کو خدا کی راہ میں اپنی ہر پیاری چیز کو قربان کر دیا گویا کہ اپنے وجود کو بظاہر مٹا دیا، اپنے بیٹے کو بھی قربان کیا۔ غرض یہ کہ انسان اپنے آپ کو جس حد تک ظاہری آنکھ میں برباد کر سکتا ہے اللہ کی رضا کی خاطر وہ برباد کر دیا مگر اللہ اس بربادی کو قبول نہیں کرتا اس کے دل کے تقویٰ کو قبول فرما لیتا ہے اور ایسے شخص کو کبھی ضائع نہیں کرتا جو خدا کی خاطر خود ضائع ہونے کے لئے تیار ہو جائے۔

''اور اس کا نشان دنیا سے معدوم نہیں کرتا۔ میرا مطلب یہ ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ایسا اخلاص ظاہر کریں اور اس قدر کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائے۔ دوست دوست سے راضی نہیں ہو سکتا جب تک اس کے لئے وفاداری ظاہر اور ثابت نہ ہو۔''

(ملفوظات جلد ۴ صفحہ: ۴۴-۴۵)

اب ایک اور اقتباس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں یہ ملفوظات میں سے

عبارت لی گئی ہے:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام میں یہ استقامت ہی تو تھی کہ خواب میں حکم ہوا کہ تو بیٹا ذبح کر حالانکہ خواب کی تعبیر اور تاویل بھی ہو سکتی تھی مگر خدا تعالیٰ پر ایسا ایمان اور دل میں ایسی قوت ہے کہ یہ حکم پاتے ہی معاً تعمیل کے واسطے تیار ہو گئے اور اپنے ہاتھ سے نوجوان بیٹے کو ذبح کرنے لگے۔ آج کل اگر کسی کا بچہ امراض میں مبتلا رہ کر مر جائے تو خدا تعالیٰ کی نسبت ہزار ہا شکوک پیدا ہو جاتے ہیں اور شکوہ و شکایت کے لئے زبان کھولتے ہیں لیکن ایک ابراہیمؑ ہے کہ بیٹے کی محبت کو کچل ڈالا اور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کو تیار ہو گیا۔ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ کبھی ضائع نہیں کرتا۔'' (ملفوظات جلد ۱ صفحہ: ۵۱۶)

حضرت مسیح موعودؑ کا ایک ارشاد ''بدر'' جلد ۳ میں شائع ہوا ہے:

''حضرت ابراہیمؑ کو بہت وحی ہوا کرتی تھی لیکن اس کا کہیں ذکر بھی نہیں کہ کیا گیا کہ اس کو یہ الہام ہوا، یہ وحی ہوئی۔''

یعنی حضرت ابراہیمؑ کو باوجود اس کے کہ بکثرت وحی ہوتی تھی آپؑ کے الہامات کی طرف قرآن کریم میں بعض اشارے موجود ہیں لیکن کثرت سے ان الہامات کا ذکر نہیں سوائے ایک دو کے۔

''بلکہ ذکر کیا گیا ہے تو اس بات کا کہ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى ﴿۳۸﴾ (النجم: ۳۸) وہ ابراہیم جس نے وفاداری کا کامل نمونہ دکھایا۔ یا یہ کہ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۵﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ (الصافات: ۱۰۵، ۱۰۶)''

یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی ہوئی تھی۔

''یہ بات ہے جو انسان کو حاصل کرنی چاہئے۔ اگر یہ پیدا نہ ہو، (یہ بات یعنی پیدا نہ ہو) تو پھر رؤیا اور الہام سے کیا فائدہ؟ مومن کی نظر ہمیشہ اعمال صالحہ پر ہوتی ہے۔ اگر اعمال صالحہ پر نظر نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ وہ مَكْرَ اللّٰهِ کے نیچے آ جائے گا۔''

مَکۡرَ اللّٰہِ سے مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ کوئی مکر کرتا ہے۔مَکۡرَ اللّٰہِ سے مراد یہ ہے کہ جب لوگ اللہ کے خلاف مکر کرتے ہیں تو اللہ انہیں کے مکر کو ان پر الٹا دیتا ہے۔تو خلاصۃً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی مضمون کو یوں بیان فرمایا ہے:

”اگر اعمال صالحہ پر نظر نہ ہو (انسان اپنے اعمال پر نظر نہ رکھے) تو اندیشہ ہے کہ وہ مکر اللہ کے نیچے آجائے“

کیونکہ ایسے اعمال جو دکھاوے کے ہوں وہ اللہ سے مکر کرنے کے برابر ہوتے ہیں تو اللہ ان کے دکھاوے کو ان کے خلاف ہی الٹا دیتا ہے۔

”ہم کو تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کریں اور اس کے لئے ضرورت ہے اخلاص کی، صدق و وفا کی، نہ یہ کہ قیل و قال تک ہی ہماری ہمت و کوشش محدود ہو۔“

یعنی زبانی دعووں کی کوئی بھی حقیقت نہیں ہے۔فی الحقیقت جب وہ دعوے ان دعووں کی تائید میں عمل تصدیق کرتے ہوں تب وہ دعوے سچے نکلتے ہیں۔

”جب ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ بھی برکت دیتا ہے اور اپنے فیوض و برکات کے دروازے کھول دیتا ہے ۔۔۔۔ اس تنگ دروازہ سے جو صدق وصفا کا دروازہ ہے گزرنا آسان نہیں۔ہم کبھی ان باتوں سے فخر نہیں کر سکتے کہ رؤیا یا الہام ہونے لگے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہیں اور مجاہدات سے دست کش ہو رہیں۔اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا۔“

(ملفوظات جلد۳ صفحہ ۶۳۷، ۶۳۸)

پس جو لوگ رؤیا اور الہام کو ہی اپنے قرب کی نشانی بنا لیتے ہیں اور خدا کی راہ میں عملی جدوجہد نہیں کرتے ان کے لئے یہ نصیحت ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھیں کس کثرت سے رؤیا و الہام ہوتے رہے ہیں لیکن آپ نے کبھی ان کو کافی نہیں سمجھا اور خدا کی راہ میں مسلسل عملی جہاد کیا ہے۔

ایک دوسری جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں اور اس کا عنوان یہ قائم کیا گیا ہے حضرت ابراہیمؑ کے نمونے کو اپناتے ہوئے صدق اور وفاداری کے ذریعے قرب الٰہی کے لئے۔

قرب الٰہی کے حصول کو اس طرح کرنا چاہئے ۔ یہ جو ہے نا قرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ کیا ہے یہ عبارت مسیح موعودؑ کی آنے والی ہے۔فرماتے ہیں:

''خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی راہ یہ ہے کہ اس کے لئے صدق دکھایا جائے۔حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قرب حاصل کیا تو اس کی وجہ یہی تھی ۔ چنانچہ فرمایا ہے اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى (النجم:۳۸) ابراہیمؑ وہ ابراہیمؑ ہے جس نے وفاداری دکھائی ۔خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری اور صدق اور اخلاص دکھانا ایک موت چاہتا ہے ۔ جب تک انسان دنیا اور اس کی ساری لذتوں اور شوکتوں پر پانی پھیر دینے کو تیار نہ ہو جاوے اور ہر ذلت اور سختی اور تنگی خدا کے لئے گوارا کرنے کو تیار نہ ہو یہ صفت پیدا نہیں ہو سکتی ۔ بت پرستی یہی نہیں کہ انسان کسی درخت یا پتھر کی پرستش کرے بلکہ ہر ایک چیز جو اللہ تعالیٰ کے قرب سے روکتی اور اس پر مقدم ہوتی ہے وہ بت ہے اور اس قدر بت انسان اپنے اندر رکھتا ہے کہ اس کو پتہ بھی نہیں لگتا کہ میں بت پرستی کر رہا ہوں۔''

یہ سب سے بڑی تنبیہ ہے جو احمدیوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی ہے کہ بسا اوقات انسان سمجھتا ہے میں کسی بت کے سامنے تو جھک نہیں رہا لیکن اپنے اندر جو بت بنائے ہوئے ہیں اس نے غیر اللہ کے بت جن سے چیزوں سے اس کو محبت ہے ان کی عملاً وہ پرستش کر رہا ہوتا ہے۔ بظاہر یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ میں مشرک نہیں ہوں قلب کے لحاظ سے اندرونی تجربات کے لحاظ سے وہ مشرک ہی ہوتا ہے پس فرمایا:

''اور اس قدر بت انسان اپنے اندر رکھتا ہے کہ اس کو پتہ بھی نہیں لگتا کہ میں بت پرستی کر رہا ہوں۔پس جب تک خالص خدا تعالیٰ ہی کے لئے نہیں ہو جاتا اور اس کی راہ میں ہر مصیبت برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا صدق اور اخلاص کا رنگ پیدا ہونا مشکل ہے۔'' (ملفوظات جلد ۲ صفحہ :۷۰۳)

ابراہیمؑ کو جو یہ خطاب ملا وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ۞ تو یہ یونہی نہیں مل گیا ساری زندگی کی قربانی اور وفا اور صدق پر قدم رکھنے کے نتیجے میں ملا پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”برکات اور فیوض الٰہی کے حصول کے واسطے دل کی صفائی کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ جب تک دل صاف نہ ہو کچھ نہیں۔ چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ دل پر نظر ڈالے تو اس کے کسی حصہ یا کسی گوشہ میں کوئی شعبہ نفاق کا نہ ہو۔ جب یہ حالت ہو تو پھر الٰہی نظر کے ساتھ تجلیات آتی ہیں اور معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔“

اس سلسلہ میں میں آپ کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بہت ہی مشکل مقام ہے جس کی طرف جماعت کو بلایا جا رہا ہے اور اگر اس کی حقیقت پر نظر ڈالیں تو کئی لوگ رستہ میں ہی حوصلے ہار دیں یعنی دل میں قطعاً غیر اللہ کے سوا کوئی بھی گوشہ باقی نہ رہے۔ ہر انسان اپنے دل کو کرید ے تو اس کے بہت سے گوشوں میں اس کو غیر اللہ نظر آ جائے گا اس لئے یہ حضرت مسیح موعودؑ کا کلام جو ہے اس سے ڈر کے راہ سلوک نہیں چھوڑنی چاہئے۔ علاج یہی ہے کہ دعا کرتے رہیں اللہ کے علم میں ہے کہ دل میں کہاں کہاں بت پنہاں ہیں وہ جب چاہے رفتہ رفتہ ان بتوں سے علیحدگی کرتا چلا جائے گا۔ اور آخری دعا جیسا کہ میں پہلے بھی کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں یہی ہونی چاہئے یَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝۲۸ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝۲۹ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝۳۰ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝۳۱ (الفجر: ۲۸-۳۱) کہ اے اللہ! ہمیں اور ہماری اولاد کو پھر آگے ان کی اولاد کو جب بھی موت آئے اس حالت میں موت آئے کہ ان کا نفس راضی بھی ہو اللہ سے اور مرضیۃ بھی ہو اللہ کی مرضی کے مطابق ہو اور مرنے سے پہلے ان کے کانوں میں یہ صدا گونجے کہ یَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝۲۸ اے میرے مطمئنہ نفس! جو مجھ سے راضی ہے اور جس سے میں راضی ہوں میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ اور اس جنت میں داخل ہو جا جو میری جنت ہے۔ پس سب جنتوں سے اعلیٰ اور افضل جنت وہ ہی ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے خاص بندوں کے لئے تیار فرمائی ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

”جب یہ حالت ہو تو پھر الٰہی نظر کے ساتھ تجلیات آتی ہیں اور معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے ایسا وفادار اور صادق ہونا چاہئے جیسے ابراہیمؑ نے اپنا صدق دکھایا یا جس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمونہ دکھایا۔ جب

انسان اس نمونے پر قدم مارتا ہے تو وہ بابرکت آدمی ہو جاتا ہے پھر دنیا کی زندگی میں کوئی ذلت نہیں اٹھاتا اور نہ تنگی رزق کی مشکلات میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ اس پر خدا تعالیٰ کے فضل و احسان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کو لعنتی زندگی سے ہلاک نہیں کرتا بلکہ اس کا خاتمہ بالخیر کرتا ہے۔''

خدا کی راہ میں مالی قربانی کرنے والوں کے لئے بھی اس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے خوشخبری ہے کہ خدا کی راہ میں جب مالی قربانی کرو تو تمہیں کوئی تنگی نہیں ہوگی، تمہاری تنگیاں دور ہونگی مالی قربانی کے نتیجہ میں اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہمیشہ اس دنیا میں بھی بہترین جزا دیتا ہے اور آخرت میں بھی۔ ایک اور اقتباس حضرت مسیح موعودؑ کا میں پیش کرتا ہوں:

''ہر مومن کا یہی حال ہوتا ہے کہ اگر وہ اخلاص اور وفاداری سے اس کا ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کا ولی بن جاتا ہے۔ لیکن اگر ایمان کی عمارت بوسیدہ ہے تو پھر بے شک خطرہ ہوتا ہے۔ ہم کسی کے دل کا حال تو جانتے ہی نہیں لیکن جب خالص خدا ہی کا ہو جائے تو خدا تعالیٰ خود اس کی حفاظت فرماتا ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ تو دل کا حال جانتا ہے پس جس کے دل میں خالص اللہ کی محبت پیدا ہو جائے اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور اس کو خود اپنا ولی بنالیتا ہے۔

پھر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی تیرہ سالہ زندگی جو مکہ میں گزری اس میں جس قدر مصائب و مشکلات آنحضرت ﷺ پر آئیں ہم تو ان کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔''

جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ کہتے ہیں کہ ہم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے تو آپ جو تاریخ میں پڑھتے ہیں اس کی حقیقت کا اندازہ آپ کو کبھی بھی نہیں ہوسکتا کہ رسول اللہ ﷺ کے دل پر کیا گزرتی تھی اور کیسی کیسی سختیاں آپ نے برداشت کیں؟ دل کانپ اٹھتا ہے جب ان کا تصور کرتے ہیں۔

’’اس سے رسول اللہ ﷺ کی عالی حوصلگی، فراخ دلی، استقلال اور عزم و استقامت کا پتہ لگتا ہے۔ کیسا کوہ وقار انسان ہے کہ مشکلات کے پہاڑ ٹوٹے پڑتے ہیں مگر اس کو ذرا بھی جنبش نہیں دے سکتے۔‘‘

اب عبارت کی سلاست دیکھئے، کیسا کوہ وقار! وقار کا پہاڑ ہے کہ اس پر مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں لیکن اس پہاڑ کو ذرا بھی جنبش نہیں ہوتی۔

’’مگر اس کو ذرا بھی جنبش نہیں دے سکتے وہ اپنے منصب کے ادا کرنے میں ایک لمحہ سست اور غمگین نہیں ہوا۔ وہ مشکلات اس کے ارادہ کو تبدیل نہیں کر سکیں۔‘‘ (ملفوظات جلد ا صفحہ: ۵۱۶)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’میں پھر کہتا ہوں کہ جو لوگ نافع الناس ہیں اور ایمان صدق و وفا میں کامل ہیں وہ یقیناً بچالئے جائیں گے۔ پس تم اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کرو۔‘‘

پس یہ بھی ایک بہت ہی آسان طریقہ ہے۔ آپ لوگوں کے لئے نافع بن جائیں۔ لوگوں کے کاموں کا فکر کریں، ان کی مشکلات حل کرنے کی کوشش میں رہیں۔ اگر آپ نافع الناس بن جائیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے نفع کی فکر کرے گا اور آپ کو اکیلا نہیں چھوڑے گا۔ تو اس میں ہر قسم کے روحانی منفعات بھی شامل ہیں اس لئے بہت ہی آسان طریقہ ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا کہ اس کی خاطر اس کے بندوں کی خدمت کی جائے۔ پھر فرماتے ہیں:

’’میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنی جماعت کو وصیت کروں اور یہ بات پہنچادوں۔ آئندہ ہر ایک کا اختیار ہے کہ وہ اسے سنے یا نہ سنے کہ اگر کوئی نجات چاہتا ہے اور حیات طیبہ اور ابدی زندگی کا طلب گار ہے تو وہ اللہ کے لئے اپنی زندگی وقف کرے۔‘‘

اور یہ وقف زندگی کی اصل تحریک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے سے شروع ہوئی ہے یہ بعد کے زمانے کی تحریک نہیں ہے۔ فرماتے ہیں میں ابھی سے تم لوگوں کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں اگر

تم اللہ تعالیٰ کی رضا اور حیات طیبہ چاہتے ہو اور ابدی زندگی کے طلب گار ہو تو ہر شخص کو چاہئے کہ اللہ کے لئے اپنی زندگی کو وقف کرے۔

''اور ہر ایک اس کوشش اور فکر میں لگ جاوے کہ وہ اس درجہ اور مرتبہ کو حاصل کرے کہ کہہ سکے کہ میری زندگی، میری موت، میری قربانیاں، میری نمازیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح اس کی روح بول اٹھے اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (البقرۃ:۱۳۲)''

یعنی میں اللہ کے سپرد ہو چکا ہوں کامل طور پر۔

''جب تک انسان خدا میں کھویا نہیں جاتا۔ خدا میں ہو کر نہیں مرتا وہ نئی زندگی نہیں پا سکتا۔ پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو۔ تم دیکھتے ہو کہ خدا کے لئے زندگی کا وقف میں اپنی زندگی کی اصل اور غرض سمجھتا ہوں۔''

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لمحہ لمحہ اللہ کے لئے وقف تھا۔

''پھر تم اپنے اندر دیکھو کہ تم میں سے کتنے ہیں جو میرے اس فعل کو اپنے لئے پسند کرتے اور خدا کے لئے زندگی وقف کرنے کو عزیز رکھتے ہیں۔''

(ملفوظات جلد اصفحہ: ۳۷۰)

پھر ملفوظات میں یہ عبارت درج ہے:

کوشش کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگو کہ وہ تمہیں صادق بنا دے۔ اس میں کاہلی اور سستی سے کام نہ لو بلکہ مستعد ہو جاؤ اور اس تعلیم پر جو میں پیش کر چکا ہوں عمل کرنے کے لئے کوشش کرو اور اس راہ پر چلو جو میں نے پیش کی ہے۔ عبداللطیف کے نمونے کو ہمیشہ مدنظر رکھو کہ اس سے کس طرح پر صادقوں اور وفاداروں کی علامتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ یہ نمونہ خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے پیش کیا ہے۔ (ملفوظات جلد ۳ صفحہ: ۵۱۷)

اب میں بعض نام دعا کی تحریک کے ساتھ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سارے وہ نام ہیں جنہوں نے مجھے عید مبارک کے پیغام فیکس کئے ہیں یا ڈاک کے ذریعے یا دستی طور پر بھیجے ہیں۔ سب

سے پہلے تو اپنی باجی جان ناصرہ بیگم کا عید مبارک کا پیغام ہے پھر عزیزہ قدسیہ بیگم اور مرزا مجید احمد صاحب کا عید مبارک کا پیغام ہے۔ ان کا بالخصوص میں نے اس لئے ذکر کیا ہے کہ آجکل بہت ابتلا میں ہیں۔ ان کا ایک بیٹا تو شہید ہو چکا ہے پہلے ہی، آپ جانتے ہیں قادر مرحوم اور ایک بیٹا بہت بیمار ہے اور اس کے گلے میں کینسر ہے اور ڈاکٹر اب کوشش کر رہے ہیں کہ جس طرح بھی ہو اس کینسر کو ختم کیا جائے لیکن آخری رپورٹ آنے تک ابھی تک اس کینسر کے سارے نشان نہیں مٹے اور اس کی بھی عزیزہ قدسیہ کو بہت فکر ہے اور مرزا مجید احمد کو بھی لازماً بہت فکر ہے، وہ خود بھی بیمار ہیں تو ان کو عید مبارک بھی ہو اور یہ احباب جماعت سے میری درخواست ہے کہ ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ پھر بی بی نینا مرزا ادریس احمد صاحب کی بیگم، بی بی روفی (صاحبزادی امۃ الرؤف) مکرم سید میر مسعود احمد صاحب کی بیگم اور یہ میری بھانجی اور بی بی قوسی (صاحبزادی امۃ القدوس) بھی جو میری بھانجی ہیں میاں احمد (صاحبزادہ مرزا غلام احمد) کی بیگم، فضل (مرزا فضل احمد) اور ثمین صاحبہ، مکرم پیر معین الدین صاحب، بی بی امۃ النصیر اور بچوں کی طرف سے، بی بی ندرت، مظفر، آمنہ اور طلحہ وغیرہ ان سب کی طرف سے عید مبارک کے پیغام ملے ہیں۔ پھر آپا مجیدہ شاہنواز کی طرف سے باری اور نعیم احمد، سعدیہ رباب اور سحاب کی طرف سے۔ غرضیکہ یہ پیغامات ایسے ہیں کہ ان کی کوئی حد نہیں۔ بڑی کثرت سے موصول ہو بھی چکے ہیں اور اب بھی آ رہے ہیں۔ تو ان سب کو میں آپ کی طرف سے اور اپنی طرف سے عید مبارک کا تحفہ پیش کرتا ہوں۔

مرکزی طور پر کارکنوں کے لحاظ سے (حضرت) مرزا مسرور احمد صاحب جو اپنی طرف سے اور کارکنان صدر انجمن احمدیہ پاکستان اور جماعت ہائے احمدیہ پاکستان کی طرف سے آپ سب کو عید مبارک کہتے ہیں، مکرمی چوہدری حمید اللہ صاحب تحریک جدید کی طرف سے یہی پیغام دیتے ہیں۔ مکرم مرزا خورشید احمد صاحب عہدیداران اور مجالس انصار اللہ پاکستان، مکرم سید محمود احمد صاحب از خدام الاحمدیہ واطفال الاحمدیہ پاکستان، یہ صدر جو ہیں خدام الاحمدیہ کے آجکل ان کی طرف سے ہے۔ مکرم محمد اسلم شاد منگلا صاحب از کارکنان دفتر پرائیویٹ سیکرٹری، مکرم راجہ نصیر احمد صاحب از کارکنان اور مربیان سلسلہ و معلمین اصلاح و ارشاد۔ پھر امیر صاحب سوئٹزر لینڈ، آسٹریلیا، جماعت البانیہ، جماعت احمدیہ ناروے کے امیر، مکرم صدق احمد حسن صاحب پریزیڈنٹ اور مبلغ انچارج از جماعت

احمدیہ فلپائن، مکرم نصیر احمد صاحب بدر مبلغ سلسلہ جاپان، مکرم خلیل احمد مبشر مبلغ ایڈمنٹن کینیڈا، منیر احمد صاحب فرخ امیر جماعت احمدیہ اسلام آباد، مکرم امین جواہر صاحب جماعت ماریشس کی طرف سے اور مڈغاسکر کی طرف سے اور ری یونین ری پبلک کی طرف سے، مکرم عبدالوہاب بن آدم صاحب امیر جماعت غانا، بابا تراولے صاحب امیر جماعت گیمبیا، صدر صاحبہ لجنہ سری لنکا غرضیکہ دنیا بھر کی جماعتوں کے امیروں نے جن میں سے بہت سے نام میں نے پڑھ دیئے ہیں اور بہت سے پڑھ نہیں سکا کیونکہ ان کے نام اب آئے ہیں اور آج شام کی ڈاک میں مجھے ملیں گے۔ سب کی طرف سے عید مبارک کی فیکسز اور خطوط موصول ہوئے ہیں۔

پس میں بھی آپ کی طرف سے اور اپنی طرف سے ان سب کو اور جماعت ہائے احمدیہ عالمگیر کے تمام افراد چھوٹے ہوں یا بڑے مرد ہوں یا عورتیں بچے ہوں یا بچیاں سب کو دلی محبت کے ساتھ عید مبارک کا تحفہ پیش کرتا ہوں۔ شہدائے احمدیت اور ان کے پسماندگان کے لئے بھی دعا کی یاد دہانی کرتا ہوں اسیران راہ مولیٰ کے لئے بھی دعا کی خاص تحریک کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ان سب کو ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے اور دشمن کے شر سے محفوظ رکھے۔

خطبہ ثانیہ کے بعد حضور نے فرمایا:

اب دعا کر لیں میرے ساتھ مل کے۔ جن جن کے لئے دعاؤں کا ذکر ہے خصوصاً شہدا کے لئے، شہدا کی اولادوں کے لئے اور اسیران راہ مولیٰ کے لئے اور جن کا میں نے ذکر کیا ہے ان سب کے لئے میرے ساتھ دعا میں شامل ہو جائیں۔

اس کے بعد حضور نے دعا کروائی۔